

دین دار افراد

کے لئے معاش

اور روزگار کے

مسئل

محمد مبشر نذیر

November 2003

معاشی مسئلہ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اگر کوئی شخص معاشی اعتبار سے مسائل کا شکار ہو تو وہ کوئی بھی کام ذہنی یکسوئی سے انجام نہیں دے سکتا۔ مالی اعتبار سے مستحکم ہونا، اچھا روزگار حاصل کرنا اور اپنے کاروبار یا ملازمت میں ترقی حاصل کرنا ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ ہماری بد قسمی ہے کہ ہمارے معاشرے کا نظام حیات ان اصولوں پر مرتب کیا گیا ہے جو بہت سے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین سے متصادم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اپنی زندگیوں میں اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہوں، ان کے لئے معاشی زندگی میں کچھ مخصوص نوعیت کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس تحریر کا مقصد ان مسائل کا جائزہ لینا اور ان کے حل کے لئے مناسب تجویز پیش کرنا ہے۔

اپنے کیریئر کے اعتبار سے دین دار افراد کو ہم دو طبقات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو دینی مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو مکمل طور پر دین کی تعلیم و تبلیغ کے لئے وقف کر دیا ہوا ہے۔ یہ افراد عموماً فل ٹائم دینی خدمات انجام دیتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو عام سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور اپنے خاندان، اساتذہ، دوستوں، کسی دینی حلقہ یا جماعت کے زیر اثر دین کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس پر عمل کرنے اور اس کی خدمت کرنے کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ یہ افراد عموماً دین کی خدمت کو ایک پارت ٹائم مشغله کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور اپنی معاش کے لئے کسی کاروبار یا ملازمت پر انحصار کرتے ہیں۔

دینی مدارس کا تعلیم یافتہ طبقہ

مدارس کی بالعموم دو اقسام ہیں: ایک تجوید و قراءت اور حفظ کے مدارس اور دوسرے درس نظامی اور اعلیٰ دینی تعلیم کے مدارس۔ پہلی قسم کے مدارس کے فارغ التحصیل قراء اور حفاظ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عموماً کسی مسجد میں امام یا موزن کی خدمات انجام دیتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی حفظ یا تجوید کے مدرسے میں بطور معلم خدمات انجام دیتے ہیں۔ آج کل یہ حضرات اپنی آمدنی میں کچھ اضافہ کرنے کے لئے ہوم ٹیوشنز پر بھی انحصار کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے بے شمار مدارس کا ایک جال پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ ان کا مکمل کیریئر بس یہی ہوتا ہے اور وہ اسی سے حاصل ہونے والی قلیل آمدنی سے اپنی گزر بسر کرتے ہیں۔

دینی تعلیم کے کورس کو درس نظامی کہا جاتا ہے۔ یہ اور گزیب عالمگیر کے دور کے ایک ماہر تعلیم ملاظہ نظام الدین کا ترتیب دیا ہوا نصاب ہے جو تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس میں بالعموم رائج ہے۔ اس دور میں یہ نصاب حکومت کی سول سروس کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ وقت کی ضرورت کے پیش نظر اس میں چند معمولی تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔ حال ہی میں حکومت نے دینی مدارس کی رجسٹریشن اور

ان کے نصاب کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات کئے ہیں جس کے تحت بعض جدید علوم کو بھی دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

ان مدارس کے فارغ التحصیل علماء عموماً مساجد میں امام یا خطیب کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو افراد اچھی تقریر کرنا جانتے ہیں وہ جمع کی نماز کی خطابت کے علاوہ جلسوں وغیرہ میں تقاریر کر کے بھی کچھ رقم کمالیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے جو علمی اعتبار سے مستخدم ہوتے ہیں، وہ کسی مدرسے میں بطور معلم ملازمت حاصل کر لیتے ہیں۔ ہمارے عام سکولوں کے نصاب میں بھی عربی پڑھائی جاتی ہے، اس وجہ سے بعض علماء جدید تعلیمی اداروں میں بھی بطور عربی اور اسلامیات کے معلم کے خدمات انجام دیتے ہیں۔ بعض ایسے حضرات جنہیں مالی امداد کرنے والے دوست اور ساتھی مل جائیں، عموماً اپنا دینی مدرسہ کھول لیتے ہیں۔ یہ حضرات معاشری اعتبار سے سب سے بہتر حالت میں ہوتے ہیں۔

اگر دینی تعلیم و تعلم کو کوئی بطور کیریئر اختیار کرنا چاہے تو اس میں اس کے لئے دنیاوی اعتبار سے کوئی خاص کشش موجود نہیں ہے۔ 2003 میں کئے گئے ایک سروے کے مطابق حفظ و قراءۃ کے مدارس کے مدارس کے ایک عام معلم کی تنخوا 2500 سے لے کر 6000 روپے تک ہوتی ہے۔ مدارس کے انہ کی تنخوا ہیں بھی اسی ریٹنگ میں ہوتی ہیں جبکہ مساجد کے موزن اور خادم حضرات کو 1500 سے 3000 روپے تک ادا کئے جاتے ہیں۔ درس نظامی کے فارغ التحصیل علماء بطور خطیب تقریباً 4000 سے 8000 روپے تک تنخوا پاتے ہیں اور مدارس میں بطور معلم بھی زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رقم حاصل کر پاتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار بھی بڑے شہروں سے تعلق رکھتے ہیں جہاں عام لوگ مساجد اور مدارس کو اچھی خاصی رقم بطور چندہ ادا کرتے ہیں۔

چھوٹے شہروں اور دیہات میں یہ رقم اور بھی کم ہو جاتی ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ایک امام مسجد اپنی تمام تر کاؤنٹوں کے بعد بڑی مشکل سے زیادہ سے زیادہ پانچ چھ ہزار روپے اور خطیب زیادہ سے زیادہ دس بارہ ہزار روپے کماپتا ہے۔ جو حضرات اپنے مدرسے قائم کر لیتے ہیں، وہ نسبتاً بہتر حالت میں ہوتے ہیں۔ افراط زر کے ساتھ ان انہ و خطباء کی تنخوا ہوں میں بھی کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔ گویا جس تنخوا پر ایک امام یا خطیب اپنے کیریئر کا آغاز کرتا ہے، تقریباً اتنی ہی یا اس سے کچھ زیادہ پر اس کے کیریئر کا اختتام ہوتا ہے۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ عموماً مساجد کے ساتھ امام و موزن کی رہائش کا انتظام کیا جاتا ہے اور ان کے یو ٹیبلیٹی بلزو وغیرہ ادا کردیے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اس رقم سے یہ حضرات جس درجے کا معیار زندگی حاصل کر سکتے ہیں، اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ یہی جوہات ہیں کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ فلٹاٹ میں خدمت کے طور پر اسے اختیار نہیں کرتا۔ اس طبقے میں جو لوگ دین کا در در رکھتے ہیں، وہ اپنی معاش کے لئے کوئی اور انتظام کرتے ہیں اور دینی خدمات کو پارٹ ٹائم مشغلوں کے طور پر انجام دیتے ہیں۔

مسجد کی اکثریت کا نظام انتظامیہ کمیٹیوں کے تحت چلتا ہے۔ بہت سے مساجد کی کمیٹیاں بھی ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہیں جو شاذ و نادر ہی مسجد میں آ کر نماز پڑھتے ہیں۔ بہت مرتبہ ان لوگوں کا رویہ امام مسجد سے حقارت آمیز ہوتا ہے اور یہ انہیں ذاتی ملازم سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ امام و خطیب کے انتخاب اور احتساب کا فریضہ وہ لوگ انجام دیتے ہیں جو علوم دینیہ کی ابجد بھی واقف نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ امام و خطیب کو مسجد میں انتظامیہ اور نمازیوں کی منشا اور مرضی کے مطابق ہی بات کرنا پڑتی ہے اور اسے مکمل طور پر آزادی رائے حاصل نہیں ہوتی۔ کھل کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا بھی اکثر اوقات ان کے لئے خاصا مشکل ہو جاتا ہے جو ان کی اصل ذمہ داری ہے۔ ان سب کے علاوہ مساجد کی تزئین اور آرائش پر تلاکھوں روپے خرچ کرنے جاتے ہیں اور لوگ بھی اس میں دل کھول کر چندہ دیتے ہیں لیکن اس زندہ وجود کی کسی کو خبر نہیں ہوتی جو اس مسجد کا سب سے اہم حصہ ہے۔ مساجد کی تزئین و آرائش میں اسراف کی حد تک خرچ کرنے میں کسی کو کوئی مسئلہ در پیش نہیں ہوتا لیکن اس انسان کا کوئی خیال نہیں کرتا جسے اپنے علاوہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھی پالنا ہے۔ اگر مساجد کی کمیٹیوں کے عہدے دار اپنے اپنے ائمہ مساجد کے گھروں میں جا کر ان کے معیار زندگی کا اندازہ لگائیں تو وہ خود کبھی بھی ایسی زندگی گزارنا پسند نہ کریں۔

ملک بھر میں چھوٹے بڑے مدارس کا اتنا بڑا جال پھیلا ہوا ہے کہ اس سے ہر سال فارغ التحصیل ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ ملک میں اتنی بڑی تعداد میں نہ تو مساجد کی تعمیر ہو رہی ہے اور نہ ہی نئے مدارس وجود میں آرہے ہیں۔ مدارس کے ذہین طلباء عموماً دین پر ریسرچ کا ذوق رکھتے ہیں لیکن پاکستان میں ایسے ادارے بہت کم ہیں جہاں دین پر ریسرچ کی جارہی ہو۔ ان حالات کے پیش نظر اس طبقے میں بے روزگاری بڑھتی جارہی ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کا حل سوچنا نہ صرف ارباب حکومت کا کام ہے بلکہ مدارس کے منتظمین اور علماء کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے پر خوب غور و خوض کر کے اس کا کوئی حل نکال سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام مسائل دو ہرے نظام تعلیم کی پیداوار ہیں۔ مسلم ممالک پر اہل مغرب کے قبیلے سے پہلے یہ صور تھاں تھی کہ ایک ہی نظام تعلیم تھا جس میں تمام طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس میں دینی و دنیاوی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ مدارس کے تعلیم یافتہ علماء ہی اپنی اہلیت کے مطابق بیورو کریسی، تعلیم، تجارت اور دوسرے شعبوں میں خدمات انجام دیا کرتے۔

اہل مغرب کے سیکولر ازم نے دو ہرے نظام تعلیم کو جنم دیا جس کے مطابق دینی مدارس کے تعلیم یافتہ دنیاوی ذمہ داریوں کے لئے نااہل تھے اور دنیاوی علوم کے ماہرین کا دین سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا۔ پاکستان کی کئی حکومتوں نے اس خلائق کو پاٹنے کے لئے کئی اقدامات کئے ہیں جن میں مدارس کی سند کو ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں مدارس کے تعلیم یافتہ بھی سرکاری نوکریوں کے لئے اہل قرار پا گئے ہیں۔ اسی طرح مدارس کے نصاب میں جدید علوم اور کمپیوٹر کی تعلیم کو شامل کر لیا گیا ہے۔ ان تمام اقدامات کے باوجود ان معماشی مسائل پر قابو نہیں پایا جاسکا۔

ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل تجویز کے ذریعے دینی مدارس کے تعلیم یافتہ طبقے کے معاشری مسائل پر کافی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے اور انہیں بھی زندگی کی خوشیوں میں شریک کیا جاسکتا ہے:

- دینی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ایسا ہنر بھی سکھایا جائے جس میں وہ اپنی روزی کما سکیں۔ یہ تجویز بہت پہلے دی جا پچکی ہے لیکن اسے بہت سے علماء نے رد کر دیا۔ ایک عالم دین کے مطابق، اگر ایک امام مسجد یا خطیب معاشرے کے لئے اپنی فلٹائم خدمات انجام دیتا ہے تو معاشرے کو بھی اس کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے۔ ان کا یہ نقطہ نظر اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن اگر معاشرہ اپنی اس ذمہ داری کو بطریق احسن انجام نہیں دے رہا تو پھر مدارس کے طلباء ہی کو اپنے لئے کچھ کرنا پڑے گا۔ اگر مدارس میں اس طرز کی کسی تعلیم و تربیت کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تو طلباء کو چاہئے کہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت خود ہی اپنے طور پر کوئی ہنر سیکھ کر اپنے کیریز بنانے کے لئے کچھ اقدام کریں۔ ہمارے ہاں عام لوگوں کی طرح دینی طلباء میں بھی محنت اور ہاتھ سے کام کرنے کو برا سمجھا جاتا ہے اور اس سے انعام برداشت جاتا ہے۔ جو شخص بھی دین کا تھوڑا بہت علم رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ اکثر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کیا کرتے تھے۔ کوئی کپڑے سیتا، کوئی گوشت بیچتا، کوئی جوتے مرمت کرتا، کوئی لوہے کا کام کرتا، کوئی قبریں تیار کرتا، کوئی گھوڑوں کی پروردش کرتا اور کوئی کھیتوں اور باغات میں کام کرتا۔ سیدنا ابو بکر اور عثمان رضی اللہ عنہما تجارت کرتے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ باغات میں مزدوری کر کے اپنی روزی کماتے۔ ان حضرات میں ایسا کوئی کمپلیکس نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی پیشہ گھٹیا ہے۔ اہل عرب میں اب تک تمام پیشوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ تصورات ہم میں بر صغیر کے مخصوص جا گیر دارانہ ماحول کے زیر اثر آئے ہیں جہاں محنت کشوں کو تیسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا ہے۔

- امام، خطیب اور موذن کو مساجد کی انتظامیہ میں اہم مقام دیا جائے اور ان کی رائے کو زیادہ اہمیت دی جائے۔ مساجد کو حاصل ہونے والے چندے کی رقم کے زیادہ تر حصے کو غیر ضروری تعمیرات پر خرچ کرنے کی بجائے مستحق انسانوں پر خرچ کیا جائے۔ ان مستحقین میں مسجد کے ارد گرد رہنے والے مسکین، بیویوں اور بیٹیوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ انشاء اللہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ملے گا اور مسجد کے اہم ترین ادارے کو بھی ایک فلاحی مرکز کے طور پر معاشرے میں لایا جاسکے گا۔

- اعلیٰ تعلیم دینے والے مدارس کے نصاب میں دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی جائیں تاکہ ان کے فارغ التحصیل طلباء معاشرے سے کٹنے کی بجائے اس کی تعمیر میں فعال کردار ادا کرنے والے بنیں۔

- مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جائے اور طلباء میں پوری طرح اخلاقی شعور بیدار کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دوسروں کو دین کی دعوت دیں لیکن ان کی اپنی اخلاقی حالت عام لوگوں سے بھی زیادہ خراب ہو۔ اس

معاملے میں حفظ و قراءۃ کے مدارس خاص توجہ کے مستحق ہیں کیونکہ آج کل ان کے طلباء بہت زیادہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو رہے ہیں جس کی بنیادی وجہ معلمین کی جانب سے توجہ کی کی ہے۔

عام دینی طبقہ

دینی مدارس کے تعلیم یافتہ حضرات کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کی بڑی تعداد بھی دین کو اپنی زندگی میں بہت اہمیت دیتی ہے۔ بہت سے معاشرتی اور اخلاقی مسائل کے باوجود دین ہماری زندگیوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ایسے لوگ بھی جن کے شب و روز گناہوں میں گزرتے ہیں، کبھی نہ کبھی دین کی طرف مائل ضرور ہوتے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقے میں دین کی طرف مائل ہونے کا رجحان بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ حضرات عموماً کسی دینی حلقے یا دینی جماعت کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دین کی طرف آتے ہیں اور پھر ان کی زندگیوں کا رخ ہی بدل جاتا ہے۔

یہ لوگ عموماً اپنی معاش کے لئے کوئی اور پیشہ اختیار کرتے ہیں اور دین کی خدمت کو جزو قابل مشغله کے طور پر اپناتے ہیں۔ چونکہ ہمارے معاشرے کی اکثریت دین سے جذباتی سی وابستگی رکھتی ہے اور اس کو پورے کا پورا اختیار کرنے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اس وجہ سے اپنے کیریئر میں ان لوگوں کو کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بہت سے دین دار افراد ذاتی کاروبار کو اپنے کیریئر کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ جب یہ کسی سے کاروباری ڈیل کرتے ہیں تو لوگوں کی توقعات خواہ مخواہ بڑھ جاتی ہیں۔ عام لوگوں کی یہ نسبیت ہوتی ہے کہ انہیں خود تو دین اور اخلاق چھو کر بھی نہ گزرے ہوں لیکن وہ دینی طبقے سے یہ توقع ضرور رکھتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی ہر ڈیل میں کھرے ہوں گے اور پوری دیانت داری سے اپنی ذمہ داری پوری کریں گے۔

ان دین دار حضرات میں سے بہت سے لوگ تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پوری دیانت داری سے کاروبار کرتے ہیں لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کی پوری طرح سے دینی تربیت نہیں ہوتی۔ کسی دینی حلقے سے وابستگی کی وجہ سے یہ دین کے ظاہری اعمال کو تو اپنالیتے ہیں لیکن دین کے اخلاقی پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کی دلچسپیوں کا تمام مرکز نماز، روزہ، مخصوص وضع قطع اور ذکر و اذکار رہ جاتے ہیں لیکن خوش اخلاقی سے پیش آنا، کاروبار میں دیانت داری سے کام لینا، پورا تولنا، اور بروقت ادائیگی کرنا ان کے ہاں مفہود ہوتا ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کے ایک فرمان کے مطابق ان کے ہاں مُحْسِر تو چھانے جاتے ہیں لیکن اوپنے نگلے جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ہی یہ ہوتی ہے کہ یہ جس دینی حلقے کے زیر اثر دین کو اختیار کرتے ہیں، اس میں چند مخصوص اعمال پر تو بہت زور دیا جاتا ہے لیکن اخلاقی پہلو کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان سب عوامل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص جب ان کے ساتھ کاروبار کر لے تو

پھر وہ آئندہ دین دار طبقے کے ساتھ ڈیل کرنے سے محتاط ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس طرز کے جملے عام طور پر سنتے میں ملتے ہیں کہ داڑھی والوں پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ چند لوگوں کی یہ اخلاقی گراوٹ پورے دینی طبقے کی بدنامی کا باعث بنتی ہے۔

اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ تمام دینی جماعتیں اور دینی حلقے اپنے تربیتی نظام میں اخلاق کو بنیادی حیثیت دیں اور خود سے متاثر ہونے والوں کے اخلاق کو بہتر بنانے کے لئے مناسب اقدامات کریں۔ اسی طرح جب کبھی بھی کوئی شخص دین کی طرف مائل ہو تو اسے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اب اس کی کسی ایسی حرکت کی وجہ سے صرف اس کا نہیں بلکہ پورے دینی طبقے کا نقصان ہو گا۔ اسے عام لوگوں کی نسبت اپنے رویے میں سو گناہ محتاط رہنا ہو گا۔

عام دینی طبقے کا غالب حصہ ملازمت پیشہ افراد پر مشتمل ہے۔ نہیں ایک طرف تو ان عام مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کسی بھی ملازمت پیشہ فرد کو پیش آسکتے ہیں جیسے بے روزگاری، بد اخلاق بآس سے واسطہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں کچھ ایسے مخصوص مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جو عام لوگوں کو پیش نہیں آتے۔ جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ ہمارے معاشرے کی عام روشنی ہے کہ دین پر اتنا ہی عمل کیا جائے جتنا ضرورت ہو۔ ہمارے ہاں اپنی خواہش کو دین کے تابع نہیں بلکہ دین کو خواہش کے تابع کیا جاتا ہے۔ کاروباری دنیا میں یہ چیز اور کھل کر سامنے آتی ہے۔ اکثر افراد اپنے کاروبار میں ایسے کام کرتے ہیں جن سے دین میں منع کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ نہ صرف ایسے کام خود کرتے ہیں بلکہ اپنے ملازمین کو بھی اس پر مجبور کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اچھے پیشوں میں میڈیکل، انجینئرنگ، مارکیٹنگ، فناں اور کمپیوٹر سائنس وغیرہ شامل ہیں۔ عام پڑھے لکھے طبقے کی طرح دین دار افراد میں سے بھی پڑھے لکھے طبقے انہی میں سے کسی فیلڈ کا انتخاب کرتے ہیں۔ میڈیکل کے شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد زیادہ تر ہسپتالوں میں ملازمت کرتے ہیں یا پھر اپنے کلینک قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انجینئرز عام طور پر صنعتوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ باقی تمام شعبے تقریباً تمام کاروباری اداروں میں موجود ہوتے ہیں۔ صنعت کے علاوہ خدمات (Services) کا شعبہ بھی ہمارے ہاں بڑی ترقی کر رہا ہے اور خدمات فراہم کرنے والے ادارے بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہی تمام کاروباری تنظیموں ہی جدید تعلیم یافتہ طبقے کو روزگار فراہم کرنے کا بڑا ذریعہ ہیں۔

کاروباری اداروں کو بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں: ایک تو پاکستان کے مقامی لوگوں کی قائم کردہ کمپنیاں (Domestic Companies) اور دوسرے ملٹی نیشنل کمپنیاں (Multi-National Companies)۔ ان دونوں قسم کے اداروں کا ماحول اور کارپوریٹ ٹکچر ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہوتا ہے۔ ان دونوں طرز کی کمپنیوں میں کچھ ایسی برائیاں پائی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں دین دار افراد کو کئی مسائل پیش آتے ہیں۔ دین دار طبقے کو ان کاروباری تنظیموں میں داخل ہوتے وقت جو پہلا مسئلہ در پیش ہوتا ہے وہ لباس اور وضع قطع کا ہے۔

پاکستان کی مقامی کمپنیوں میں اخلاقی اعتبار سے بہت سے مسائل پائے جاتے ہیں۔ اکثر کمپنیوں کے مالکان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے ملازمین کو کم سے کم تنخواہ اور دیگر مراعات دی جائیں اور ان پر زیادہ سے زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا جائے۔ دفتری اوقات کے بعد دیر تک بیٹھنے کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ ملازمین کو آٹھ گھنٹے کی تنخواہ دے کر ان سے چودہ اور سولہ گھنٹے تک کام لینا معمول کی بات ہے۔ بہت سی کمپنیوں میں ٹیکس بچانے کے لئے یادوں سے شیر ہولڈرز کو دھوکہ دینے کے لئے اکاؤنٹس میں ہیرا پھیری کی جاتی ہے۔ سودی قرضے بھی لئے جاتے ہیں اور سودی اکاؤنٹس میں رقم رکھی جاتی ہے۔ ملازمین کو بروقت تنخواہیں تک ادا نہیں کی جاتیں اور سود بچانے کے لئے ادائیگیوں میں زیادہ سے زیادہ تاخیر کی جاتی ہے۔ بہت مرتبہ گاہوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے اور انہیں طے شدہ کوالٹی کے مطابق اشیاء فراہم نہیں کی جاتیں۔ دین دار افراد کے لئے ہیرا پھیری کرنا اور سودی معاملات میں ملوث ہونا ایک بہت مشکل کام ہے۔ انہیں نوکری کے اوقات سے فارغ ہو کر اپنے گھر والوں اور دینی حلقات کو بھی وقت دینا ہوتا ہے۔ لیٹ سٹنگز کی وجہ سے وہ ایسا کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ دین دار افراد اس ماحول میں خود کو ایڈ جست نہیں کر سکتے۔

لوکل کمپنیوں کے بر عکس ملٹی نیشنل کمپنیاں بالعموم اخلاقی اعتبار سے بہت بہتر ہوتی ہیں۔ یہاں تنخواہیں اور دیگر مراعات نسبتاً بہتر ہوتی ہیں، لیٹ سٹنگز کم ہوتی ہیں، ان کے اکاؤنٹس عموماً کمپنی کے معاملات کی ایک حقیقی اور دیانت دارانہ تصویر (True & Fair View) پیش کرتے ہیں۔ پورا پورا ٹیکس ادا کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی ہیرا پھیری نہیں کی جاتی۔ تنخواہیں بروقت ادا کی جاتی ہیں۔ اشیاء کی کوالٹی پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ ان اداروں میں دین دار افراد کو وہ مسائل توہر حال کم ہی پیش آتے ہیں جو لوکل کمپنیوں میں ہیں لیکن یہاں انہیں کچھ اور نوعیت کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔

ہمارے ملک کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں زیادہ تر امریکہ اور یورپ کی کمپنیوں کی مقامی شاخیں (Subsidiaries) ہیں۔ اگرچہ اپنی مقامی پالیسیوں میں کسی حد تک یہ خود مختار ہوتی ہیں لیکن ان کی افرادی وقت (Human Resources) سے متعلق پالیسیاں عموماً ان کے غیر ملکی ہیڈ کوارٹرز متعین کرتے ہیں۔ 2000 کے عشرے میں عالمی سیاست میں ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں جن کے نتیجے میں اہل مغرب اور مسلمانوں بالخصوص دین دار مسلمانوں کے مابین ذہنی خلیج میں اضافہ ہوا ہے۔ گیارہ ستمبر 2001 کی دہشت گردی، افغانستان اور عراق پر امریکی جاریت، امریکہ کے خلاف مظاہرے، دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں بم دھماکے، ان میں بعض دینی وضع قطع رکھنے والے مسلمانوں کو ملوث کیا جانا، مغربی میڈیا کا پروپیگنڈہ اور پاکستان جیسے ممالک میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کو دھمکیاں، ان سب عوامل نے امریکہ اور یورپ کاروباری طبقے کے ذہنوں میں دین پر عمل کرنے والے مسلمانوں کا انتہج دہشت گرد کا بنادیا ہے۔ یہ لوگ اب دین پر عمل کرنے والے مسلمانوں سے بری طرح خائف ہو چکے ہیں اور ان کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان کمپنیوں میں دین دار افراد کا داخلہ خاصی حد تک محدود ہو چکا ہے۔

جو افراد کسی نہ کسی طرح ان کمپنیوں میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، انہیں بھی کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مغرب کی تقلید میں ان کمپنیوں کا ماحول بڑی حد تک مادر پدر آزاد ہوتا ہے۔ میٹنگز میں نمازوں کی پرواہنہ کرنا، مردوں کا بے قید

اختلاط اور شراب و رقص کی مخلوط محفلیں ان کمپنیوں کے ماحول (Corporate Culture) کا حصہ بن چکی ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس قسم کی تقریبات میں ہر شخص کو اس کی مرضی کے خلاف شریک ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا اور مذہبی تعصب سے پاک ہونے کے بلند و بانگ دعووں کے ساتھ کسی حد تک مذہبی آزادی بھی دی جاتی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس ماحول میں شریک نہ ہونے والوں پر ایک مخصوص لیبل لگا دیا جاتا ہے۔

اس ذہنیت کا مظاہرہ ان کی کار کردگی کے جائزے (Appraisal) کے وقت سامنے آتا ہے جب غیر محسوس طریقے سے کچھ اور باتوں کو بہانہ بنائے کر ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز دین دار افراد کی تعداد بہت کم ہے۔ ایسی مثالیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں کہ ان کمپنیوں کے اعلیٰ عہدوں داران میں سے اگر کوئی دین کی طرف مائل ہوا بھی ہے تو اس کے خلاف ایک محاذ بنا لیا گیا اور ایسے حالات پیدا کرنے گئے ہیں کہ وہ خود ہی نوکری چھوڑ کر چلا جائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ غیر مسلم مغربی ممالک میں دین دار مسلمانوں کو پیش آنے والے ان مسائل کی تعداد اور شدت نسبتاً بہت کم ہے۔ اگرچہ حالیہ واقعات میں مسلمانوں کے خلاف تعصب میں اضافہ ہوا ہے لیکن اس کے باوجود انہیں اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی مسلم ممالک سے زیادہ میسر ہے۔ مسلم ممالک میں انہی غیر مسلم کمپنیوں کے مسلمان کھلانے والے نمائندے اپنے بھائیوں کو دین سے برگشته کرنے میں شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ثابت ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کے ساتھ ساتھ بسا واقعات مسلکی تعصب بھی رنگ لاتا ہے۔ اگر کسی شخص کا باس اس کے مخالف فرقے سے تعلق رکھتا ہو تو وہ اسے ہر طریقے سے تنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ وہ مسائل ہیں جن کا سامنا دین پر عمل کرنے والے تقریباً ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ ان کا ایک حل تو وہ ہے جو ہمارے معاشرے کے عام افراد اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ جس ماحول میں بھی جائیں، خود کو اس کے مطابق ڈھال لیتے ہیں اور ہر چیز پر کمپر و مائز کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ مقامی کمپنیوں کا جابرانہ اور غیر دیانتدارانہ ماحول ہو یا ملٹی نیشنل کمپنیوں کا مادر پدر آزاد ماحول، یہ اپنے دین کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے ویسا ہی کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ ماحول میں ہو رہا ہوتا ہے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے تراشتے ہیں۔

ایسا کام وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا کوئی خوف نہ ہو، وہ اپنے کیریئر کو صرف انہی تیس پینتیس سالوں پر محیط سمجھتا ہوا اور یہ سمجھتا ہوا کہ اس دنیا کی چند سالہ زندگی ہی سب کچھ ہے اور اس کے بعد اس کا کیریئر ختم ہو جائے گا۔ ایسے لوگ جو دین پر عمل کرنے ہی کو اپنی ترجیح سمجھتے ہوں، ان کے لئے چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔ امید کی جاسکتی ہے کہ ان تجاویز کی مدد سے اگر یہ مسائل مکمل طور پر حل نہ بھی ہو سکیں تب بھی ان کی شدت کو کافی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔

● سب سے پہلے اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیجئے کہ ہم سب کا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جب پتھر کے اندر موجود کیریئر کو بھی رزق دیتا ہے تو کیا اس انسان کو رزق عطا نہیں کرے گا جو اس کی فرمانبرداری کرنے کی کوشش کر رہا

ہے؟ درحقیقت ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آزمانے کے لئے بعض اوقات ہمارے سامنے کچھ مسائل رکھتا ہے۔ جو لوگ ان مسائل کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں، انہیں وہ کچھ عرصے بعد اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ جو افراد اس کی نافرمانی کریں اور پھر توبہ کر کے واپس بھی نہ آئیں، انہیں وہ بہت مرتبہ دنیاوی عیش و آرام دے کر ان کی نیکیوں کا صلحہ اس دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ ہمارے پیش نظر یہ حقیقت بھی رہنی چاہئے کہ ہمارا کیریئر صرف چند سال پر مشتمل نہیں ہے۔ اس زندگی کے بعد ایک ختم نہ ہونے والی زندگی اور شروع ہو گی جس کے کیریئر کی ہر شخص کو فکر ہونی چاہئے۔ ہم لوگ اپنی قلیل المیعاد (Short-term) ضروریات کو قربان کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں تاکہ طویل عرصے (Long-term) میں اپنی زندگی کو بہتر بنایا جاسکے۔ ہمارا یہ عمل دراصل مستقبل میں سرمایہ کاری (Investment) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کبھی ہمارے کیریئر کے قلیل المیعاد اور طویل المیعاد مقاصد میں کوئی تصادم ہو تو ہم ہمیشہ طویل المیعاد مقاصد ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ بالکل اسی طریقے سے ہمیں لا محمدود (Infinite) سالوں پر مشتمل کیریئر کے لئے کبھی چھوٹی موٹی قربانی بھی دے دینی چاہئے اور چند سالوں کے اس کیریئر کے لئے ختم نہ ہونے والے کیریئر کو قربان نہیں کرنا چاہئے۔ دین کے کسی حکم پر عمل نہ کرنے کی رخصت ہمیں اس صورت میں حاصل ہے جب ہمارے سامنے کوئی بہت بڑی مجبوری ہو۔ اس مجبوری کو بھی معقول ہونا چاہئے اور دنیا پسند طبقے کی طرح مضمکہ خیز مجبوریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

- اعلیٰ کاروباری حلقوں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں دینی طبقے کے بارے میں پائے جانے والے تعصب کو بڑی حد تک اپنی اچھی کارکردگی سے کم کیا جاسکتا ہے۔ دین دار افراد کو چاہئے کہ وہ اپنے کام میں مہارت حاصل کریں، دیانت داری سے اپنی پیشہ و رانہ ذمہ داریاں ادا کریں، دوسروں کی نسبت اپنی کارکردگی کو بہتر بنائیں، پیشہ و رانہ اخلاقیات کا مظاہرہ کریں اور اپنے تاثر کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش جاری رکھیں۔ حالیہ دنوں میں اس کی بہترین مثال امریکی مسلمانوں نے پیش کی ہے۔ گیارہ ستمبر 2001 کی دہشت گردی کے بعد مسلم مخالف حلقوں کی طرف سے امریکی میڈیا پر یہ مہم چلائی گئی کہ مسلمان دہشت گرد، لا قانونیت کے حامی، انہتا پسند اور امن کے دشمن ہوتے ہیں۔ اس مہم کے نتیجے میں مسلمانوں کو خاص انقصان پہنچا۔ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو ٹھانی جھگڑے پر اتر آتے۔ وہ لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ہماری نسبت ایسے معاملات کا گھر اشور رکھتے ہیں اور بے جا جذباتیت سے پرہیز کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں ایک جوابی میڈیا مہم چلائی جس میں انہوں نے اپنے کردار اور عمل سے یہ ثابت کیا کہ اسلام دہشت گردی، لا قانونیت، انہتا پسندی اور بد امنی کا سب سے بڑا مخالف ہے اور کوئی بھی سچا مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس جوابی مہم میں ان کا ساتھ ان غیر مسلم سکالرز نے بھی دیا جو غیر متعصب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ یہ جوابی مہم ابھی جاری ہے اور اس کے نتیجے میں مغربی معاشروں میں

مسلمانوں کے عزت اور وقار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ان کی یہ مہم کامیاب ہو۔ موجودہ حالات کی ضرورت ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ دینی طبقہ بھی ایسی مہم چلائے اور اپنے کردار سے یہ ثابت کرے کہ دین پر عمل کرنے والا مسلمان دہشت گرد اور انتہا پسند نہیں ہوتا۔ وہ پیشہ و رانہ اخلاقیات کا اپنے ساتھیوں سے زیادہ پابند ہوتا ہے، اس کی کارکردگی عام لوگوں کی نسبت بہتر ہوتی ہے، اپنے فرائض کی ادائیگی میں وہ انتہائی دیانت دار ہوتا ہے اور اپنی ذمہ داریاں انتہائی توجہ اور محنت سے ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

- ایسے دین دار حضرات جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ دوسرے دین دار ساتھیوں کی جائز حمایت کریں اور ان کا امتحج بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس بات کا خیال رہے کہ یہ حمایت صرف اور صرف جائز معاملات میں ہونی چاہئے اور اس میں کسی اور کی حق تلفی بالکل نہیں کرنی چاہئے۔

- دین دار حضرات کے بعض مسائل ایسے ہیں جو کہ قرآن و سنت کی واضح احکامات (نصوص) کی وجہ سے نہیں بلکہ علماء کے نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان معاملات میں ہمیں لکیر کا فقیر نہیں بننا چاہئے بلکہ دوسرے نقطہ نظر کا مطالعہ بھی کرنا چاہئے اور اگر ہمیں وہ قرآن و سنت اور عقل و فطرت کے زیادہ قریب لگے اور اسے اپنا لینے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ بلا سوچ سمجھے ایک ہی نقطہ نظر کو مان کر ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینا نہ تو دین میں صحیح قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی عقل و فطرت میں۔

- بعض دینی جماعتوں کی انتہا پسندی اور چند غلط اقدامات کی وجہ سے معاشرے میں ان اک منفی امتحج پایا جاتا ہے۔ ان جماعتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنی عملی زندگی میں اپنی جماعتوں کے مخالفین یا ان کے بارے میں منفی تاثر رکھنے والے افراد کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہماری رائے میں ایسی جماعتوں میں شمولیت سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ انسان کو ایسے دینی حلقوں سے والبستگی اختیار کرنی چاہئے جن کے بارے میں معاشرے میں اچھا تاثر پایا جاتا ہو۔ اچھے تاثر سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ معاشرے کی ہر پسند و ناپسند کے ساتھ ہاں میں ہاں ملاتے ہوں بلکہ اچھے تاثر کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ دین پر عمل کے اعتبار سے معاشرے میں اچھے سمجھے جاتے ہوں۔ ان کا اخلاق و کردار اتنا مضبوط ہو کہ دشمن بھی ان کے کردار کی مضبوطی کی گواہی دے۔ ان کی محفلوں میں بیٹھنے سے اللہ، اس کے رسول اور انسانیت کی محبت کی خوبیوں آتی ہو۔ وہ کسی کے خلاف نفرت پھیلانے میں مشغول نہ ہوں۔ ان کے ہاں انسانوں کی کردار سازی کی جاتی ہونہ کہ کردار کشی۔ وہ انسانوں کی اخلاقی تربیت میں مشغول ہوں نہ کہ ان کی برین واشنگ میں۔

• اگر ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ جائے جو محض مسلکی یا فرقہ وارانہ تعصیب کی بنابر ہمیں ہمارے جائز حقوق سے محروم کرنے پر تلے ہوں، تو ان کے ساتھ حکمت عملی سے معاملہ کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ انہیں ہدایت دے۔ اس بات کا بھی خیال رکھئے کہ مذہب یا نقطہ نظر میں اختلاف کی صورت میں آپ سے بھی کبھی کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

دین دار افراد کے لئے معاش اور روزگار کے مسائل

مصنف کی دیگر تحریروں کے لئے وہی سمجھیے:
www.mubashirnazir.org

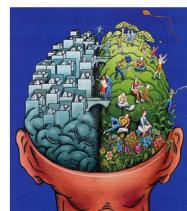
قرآنی عربی پروگرام / سفرنامہ ترکی / مسلم دنیا اور ذہنی، فکری اور نفیسی غلامی / اسلام میں جسمانی و ذہنی غلامی کے انسداد کی تاریخ / تعمیر شخصیت پروگرام / قرآن اور بابل کے دلیں میں / علوم الحدیث: ایک تعارف / کتاب الرسالہ: امام شافعی کی اصول فقہ پر پہلی کتاب کا اردو ترجمہ و تلخیص / اسلام اور دور حاضر کی تبدیلیاں / ایڈورٹائزنگ کا اخلاقی پہلو سے جائزہ / الحاد / جدید کے مغربی اور مسلم معاشروں پر اثرات / اسلام اور نسلی و قومی امتیاز / اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟ / ماہیوسی کا علاج کیوں کر ممکن ہے؟ / دور جدید میں دعوت دین کا طریق کار / اسلام کا خطرہ: محض ایک وہم یا حقیقت /

Empirical Evidence of God's / Quranic Concept of Human Life Cycle Accountability

دین دار افراد کے لئے معاش اور روزگار کے مسائل



Personality Development Program

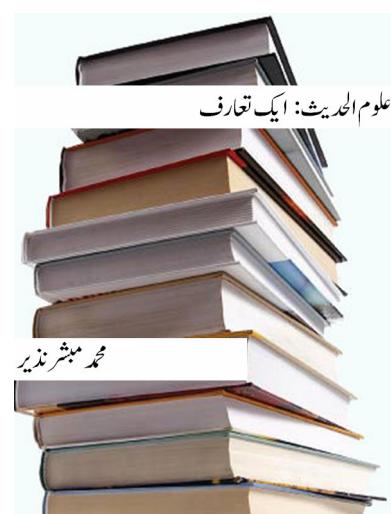
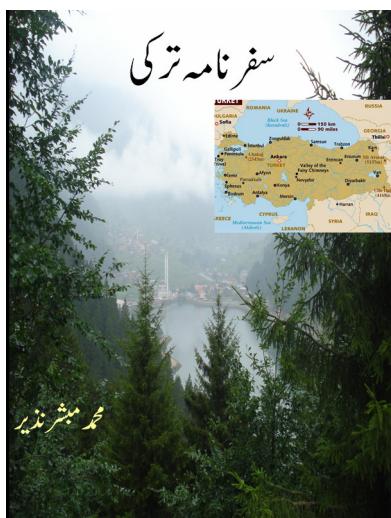
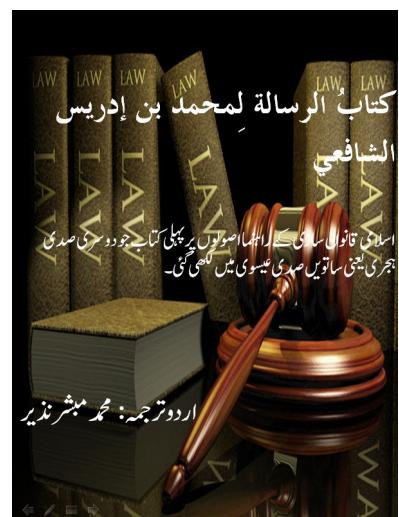
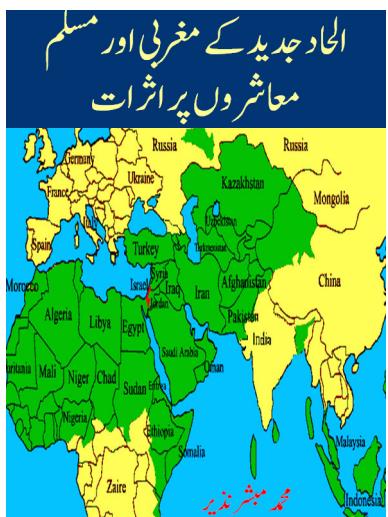


Muhammad Mubashir
Nazir

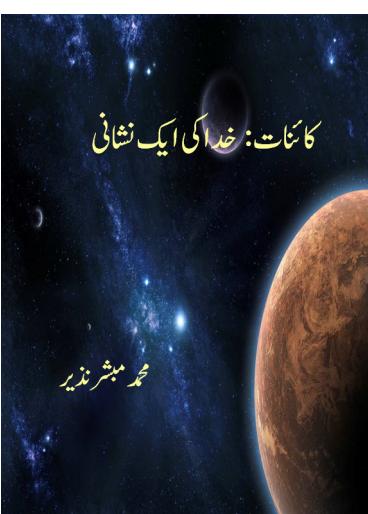
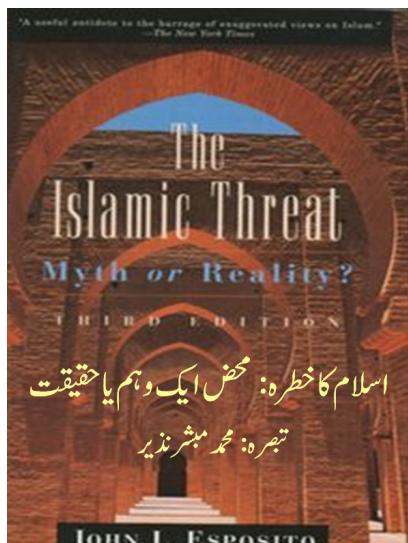
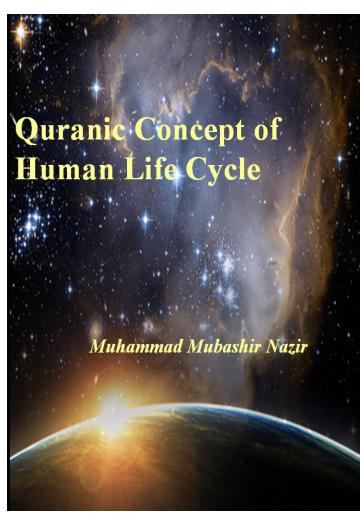
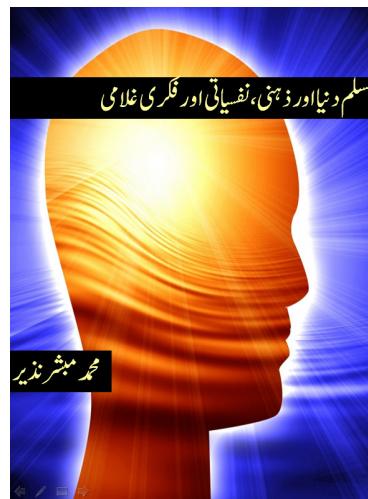
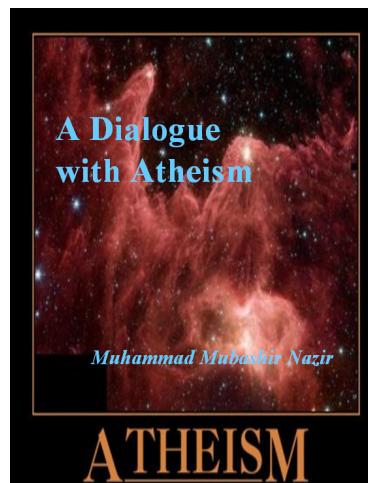
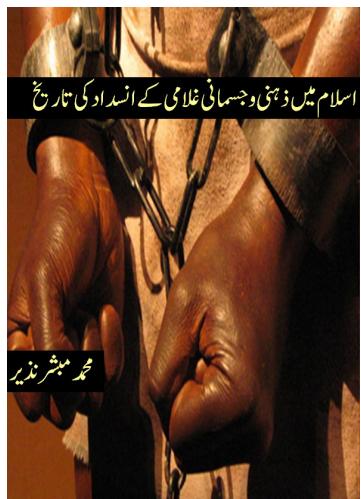
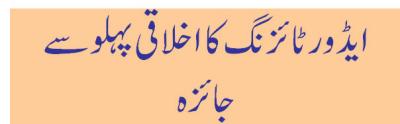
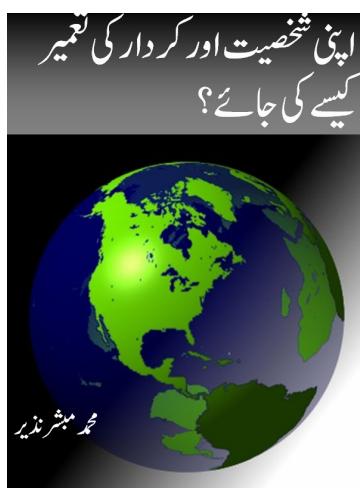
مایوسی سے نجات کیسے؟



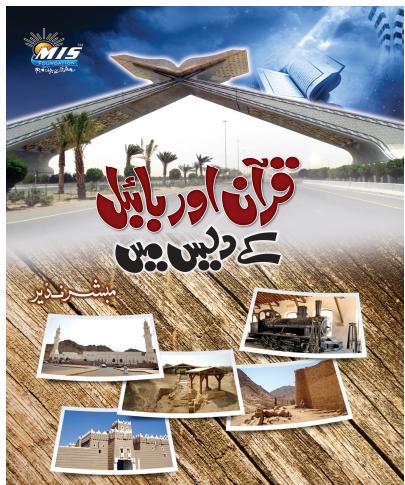
محمد مبشر نزیر



دین دار افراد کے لئے معاش اور روزگار کے مسائل



دین دار افراد کے لئے معاش اور روزگار کے مسائل



Empirical Evidence of God's Accountability

Muhammad Mubashir Nazir

